حقیقتِ تصوّف

پروفیسر طیب شاہین لودھی صاحب

(۳)

صوفیہ کے اسرار و اشارات صوفیہ کی نظر میں علومِ مشاہدات و مکاشفات صرف علمِ اشارہ سے مختص ہیں اور علمِ اشارہ صرف صوفیہ کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ علم صوفیہ کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ علمِ شریعت حاصل کر لیتے ہیں۔ باطنی علم کو علمِ اشارہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ مشاہداتِ قلب اور مکاشفاتِ اسرار کی تعبیر ممکن نہیں۔ ان کو جاننے کا ذریعہ صرف ذوق و مواجید ہیں اور یہ علم صرف اسے حاصل ہوتا ہے جو ان احوال و مقامات سے گزرتا ہے[1]۔ لہٰذا متاخرین صوفیہ نے اپنے نظریات اور تجربات و واردات کی تعبیر کے لیے مخصوص زبان اور مخصوص اصطلاحات وضع کیں تاکہ اپنے نظریات کو اپنے ہم مسلک لوگوں کے سوا باقی سب سے پوشیدہ رکھ سکیں۔ لیکن اُن کی نظر میں دوسرے لوگ اس کے اہل نہیں کہ تصوّف کے اسرار اُن پر کھولے جائیں۔ اور بقولِ امام غزالی تصوّف کے اسرار و رموز کو تحریر میں لانا جائز نہیں بلکہ عارفین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ سرِ ربوبیت کا افشار کفر ہے[2]۔

اہلِ استقامت اصحابِ تصوّف نے بھی اپنے نکات کی تفہیم کے لیے جابجا غریب، مبہم، متشابہ اور ذو معنی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جنید بغدادی پہلے شخص ہیں جنہوں نے تصوّف کے معانی وضع کیے

---

[1] التعرف لمذہب اہل التصوّف ص ۶۸

[2] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۴۶

اور ان کو تحریر میں لائے [1] انہوں نے خود تو ان الفاظ اور اصطلاحات کا صحیح مفہوم اخذ کیا لیکن اہل زیغ نے اپنے باطل عجمی نظریات کے اظہار اور اشاعت کے لیے ان کو من مانے معنی پہنائے۔ ابن قیمؒ نے "منازل السائرین" کی شرح کرتے ہوئے بار بار شیخ ابو اسماعیل ہروی کی گنجلک اصطلاحات کا شکوہ کیا ہے۔ کیونکہ ان کے شارحین نے ان سے غلط مفاہیم اخذ کیے ہیں [2]۔ اسی طرح ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی تصنیفات میں شیخ عبداللہ ہروی کے نظریہ توحید کا ذکر کرتے ہوئے ان کی گنجلک اصطلاحات کا ذکر کیا ہے، جن کی آڑ لے کر اہلِ زیغ نے توحید کے من مانے معانی بیان کیے ہیں [3] اور ان کی توحید کے ڈانڈے نظریۂ وحدۃ الوجود سے ملانے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح ابوالقاسم القشیریؒ نے فنا کے جو تین مدارج بیان کیے ہیں [4]۔ اس سے وحدۃ الوجود کے حامی اپنے نظریات کی تائید حاصل کرتے ہیں۔

توحید جیسا اہم موضوع جسے قرآن میں سب سے زیادہ ذکر کیا گیا ہے بلکہ قرآن کے تمام موضوع توحید ہی کے گرد گھومتے ہیں۔ قرآن مجید میں بغیر کسی رمز و اشارہ یا تعقید لفظی و معنوی کے صاف صاف بیان ہوا ہے۔ جس میں کسی اشتباہ اور کسی دوسرے معنی کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہی موضوع اصحابِ تصوف کے ہاں ان کے رموز و اشارات اور تعقید کی بنا پر گنجلک بن کر رہ گیا ہے۔ جو چاہتا ہے اس سے اپنا من مانا مفہوم اخذ کر کے اسے "خواص کی توحید" قرار دے دیتا ہے۔

اہلِ تصوف یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح قرآن و حدیث کے ظاہری معنی ہوتے ہیں جو قرآن کے الفاظ و کلمات، ان کی دلالت، ان کی عبارت، ان کی اشارت اور ان کے فحویٰ سے سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کے باطنی معنی بھی ہوتے ہیں، جن کا علم صرف چند صحابۂ خواص کو تھا۔ یہ معانی سینہ بسینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اہلِ حقیقت تک منتقل ہوتے ہیں اور ان باطنی معانی کے وارث

---

[1] التصوف الاسلامی ص ۱۷، تاریخ ادبیاتِ ایران ص ۲۹۸

[2] مدارج السالکین ۳: ۱۳۸، ۳: ۱۵۱، ۳: ۴۸۶ وغیرہ

[3] منہاج السنۃ النبویۃ ۳: ۸۶

[4] الرسالۃ القشیریۃ ص ۴۰

صرف اہلِ حقیقت ہیں اور اہلِ شریعت ان معانی سے محروم ہیں۔ کچھ لوگ علمِ باطن حضرت علیؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ خود حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی اس نظریے کی اشاعت کرتے رہے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف منسوب اس غلط بات کی پرزور تردید کی جسے تمام محدثین نے اپنی اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے[1]۔ نیز صوفیہ حضرات اپنے اس موقف کی تائید میں ایک دو احادیث بھی پیش کرتے ہیں اور ان کی من مانی تفسیر بیان کرتے ہیں[2]۔

صوفیہ حضرات یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ اہلِ حقیقت یا اصحابِ حال اور اہلِ شریعت یا اصحابِ قال کے معیاراتِ علم ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اہلِ شریعت کے پاس محض چھلکے ہیں اور دین کے اصل وارث تو صرف "اہلِ حقیقت" ہیں۔ کبھی یہ حضرات علماء کو "اہلِ رسوم" اور "اہلِ ظواہر" کا نام بھی دیتے ہیں۔ نیز ان گروہوں کے معیارات میں اس قدر بُعد ہے کہ وہ ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ یہ باطنیہ کے نظریات کی صدائے بازگشت ہے۔ علماء کے علاوہ صوفیائے اہلِ حق نے بھی باطنیہ کے اس باطنی نظریے کی بڑے زور شور سے تردید کی ہے، جسے صوفیائے اہلِ حق کی تصنیفات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی کے مطالعے کے دوران معلوم ہوتا ہے کہ توحید اور تزکیۂ نفس انبیائے کرام کی بعثت کا اصل مقصد ہے۔ اگر اسلام سے توحید اور تزکیۂ نفس کو خارج کر دیں تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ ایمان بالرسالت، ایمان بالآخرۃ اور ایمان بالملائکہ وغیرہ بھی توحید اور تزکیۂ نفس کی بنیاد مضبوط کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ توحید اور تزکیۂ نفس جیسے اہم اُمور کا علم رموز و اشارات کے دبیز پردوں میں چھپا دیا گیا ہو، جسے صرف حضرت علیؓ اور ایک دو صحابہؓ نے ہی سمجھا ہو، باقی لاکھوں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض سے محروم رہے ہوں۔ اور ان کی توحید بس عوام کی توحید ہو۔ نیز یہ حضرات یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ علم سینہ بسینہ حضرت علیؓ سے آگے منتقل ہوا۔

قرآن مجید شہادت دیتا ہے کہ انبیائے کرام نے عام طور پر اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مسند الامام احمد حدیث نمبر ۵۹۹، ۶۱۵، ۷۸۲، ۷۹۸، ۸۵۰ وغیرہ۔

[2] التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۸۷

نے خاص طور پر توحید اور تزکیۂ نفس کے حقائق کی تفہیم میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور نہ اُن کی تفہیم کے لیے ایسی اصطلاحات وضع کیں جو صحابہؓ کے لیے اجنبی ہوں نہ تعقید و رمز کو اپنے اسلوب کے قریب پھٹکنے دیا۔ سیدھے سادے الفاظ تھے جو قلب و ذہن کی گہرائیوں تک پہنچ جاتے تھے۔ اگر مضمون قدرے مشکل اور پیچیدہ ہوتا تو آپؐ اُس کی تفہیم کے لیے تمثیل بیان کر دیا کرتے تھے۔ اسی طرح یہ مضمون اپنے تمام حقائق سمیت صحابہ کرام کے ذہن نشین ہو جاتا۔ اہم بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے کئی بار دہراتے کبھی کبھی کسی بات کے مضمون کی اہمیت پر متنبہ کرنے، اس بات کو استفہامیہ پیرائے سے شروع کرتے اور پھر خود ہی اس کا جواب عطا کرتے۔ اس طرح بات کا مفہوم اپنی پوری گہرائی کے ساتھ سامع کے ذہن نشین ہو جاتا۔ پھر آپؐ اس امر کا بھی خیال رکھتے کہ توحید و تزکیۂ نفس کا اثر اپنے تمام تر تقاضوں کے ساتھ صحابہ کرام کے اعمال و احوال میں ظاہر ہو۔ آپ نے کبھی ایسے نام نہاد باطنی معانی اور اسرار و رموز بیان نہیں فرماتے جن کو صرف چند صحابہ سمجھ سکتے ہوں۔ جن حضرات کو کلامِ نبوتؐ سے ممارست ہے وہ جانتے ہیں کہ آپؐ کا اسلوب کس قدر سادہ اور آسان فہم ہے اس لیے صحابہ کرامؓ کو توحید، حقیقتِ توحید اور حقیقتِ تزکیہ کی کامل معرفت حاصل تھی اور وہ ان کے تقاضوں سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔

توحید اور تزکیۂ نفس ہر انسان کی نجات کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ ان کو سمجھے اور اُن کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوئے بغیر کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ لیکن صوفیہ کی اصطلاحات اور وضعیات نے اُسے اجمال اور اشکال سے لبریز اور ناقابلِ فہم بنا کر رکھ دیا ہے۔ حقیقتِ توحید کے فہم کے لیے یہ لازمی چیز ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظِ طیبہ اور اسلوبِ طاہر سے رُوگردانی نہ کریں۔ اور تزکیۂ نفس کے حصول کے لیے آپ کے طریقِ کار کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ بقولِ ابن قیمؒ نبوت کی پاک اور معصوم زبان سے نکلے ہوئے الفاظ غلطی اور خطا سے مبرا ہوتے ہیں۔ یہ مبارک الفاظ تفہیمِ مضمون میں ایک خاص تاثیر رکھتے ہیں[1]۔ جو الہامی کلام کا ایک اہم خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مخالفین میں سے میدان بلاغت کے بڑے

[1] مدارج السالکین ۳ : ۹۹

بڑے شاہسوار بھی ان الفاظ کی تاثیر کے خوف سے کانوں میں روئی ٹھونسے رکھتے تھے۔

ہمیں قرآنِ مجید کی آیات میں پنہاں اشارات سے انکار نہیں، مگر ان اشارات کی طرف رہنمائی خود قرآن کے الفاظ، اُن کے سیاق و سباق اور اُن کے نظم ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ مجرد ذوق و مواجید اور کشف و مشاہدہ کو قرآن کے ایسے باطنی معانی پر دلیل نہیں بنایا جا سکتا، جن کی تائید قرآن کے ظاہری الفاظ اور اُن کا سیاق و سباق نہ کریں۔

قرآن و سنّت کے صحیح اشارات اور اسرار و رموز کی دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں جو قرآن مجید کے صحیح فہم اور اس کے الفاظ و معانی میں تدبّر و تفکّر کا نتیجہ ہیں۔ ابن قیمؒ رقمطراز ہیں:[1]

"میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ قدس اللہ روحہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک (لاتدخل الملٰئکۃ بیتاً فیہ کلب و صورۃ (فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس گھر میں کتا یا تصویر ہو) ——— کے ضمن میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:[2] "جب مخلوق فرشتوں کو کسی گھر میں داخل ہونے سے کتا اور تصویر روک دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی معرفت، اُس کی محبت، اُس کے ذکر کی حلاوت اور اُس کے قرب کا اُنس اس دل میں کیونکر داخل ہو سکتے ہیں جو شہوات کی تصویروں اور خواہشات کے کتّوں سے بھرا ہوا ہو" ——— یہ لفظ کا صحیح اشارہ ہے۔ اشارے کی دوسری مثال یہ ہے کہ طہارتِ لباس اور طہارتِ بدن صحتِ نماز کے لیے ضروری شرط ہے۔ اگر یہ شرط پوری نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ لیکن اگر دل ہی نجس ہو اور اُس شخص نے کبھی اپنے دل کو پاک نہ کیا ہو تو اُس کی نماز کو کیونکر صحیح شمار کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ایسی نماز نے صرف قضا تو ساقط کر دی ہے۔ کیا ظاہری طہارت صرف باطنی طہارت کی تکمیل کی خاطر نہیں ہوتی؟"

---

[1] مدارج السالکین ۲ : ۴۱۸

[2] ملا علی قاریؒ نے اس قول کو حجۃ الاسلام امام غزالی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو شرح الفقہ الاکبر ص ۱۵۰

یہ اشارات الفاظِ قرآن کے حقیقی معانی پر دلالت کرتے ہیں اور الفاظِ قرآن پر غور و تدبر سے حاصل ہوتے ہیں اور ان کے حصول کے لیے اخلاص، ظاہری و باطنی صفائی، صحتِ بصیرت اور حسنِ تدبر لازمی شرائط ہیں۔

اطاعتِ شیخ صوفیہ کے نزدیک تزکیۂ نفس کوئی کتابی علم نہیں جو مجرد کتابوں کے مطالعے سے حاصل کیا جا سکتا ہو، جس طرح دیگر علوم سیکھنے کے لیے کسی کامل استاد کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور جس طرح جسمانی بیماریوں کے علاج سیکھنے کے لیے کسی طبیب حاذق کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنا پڑتا ہے اور اس کے زیرِ نگرانی عملی تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح تزکیۂ نفس اور روحانی امراض کے علاج کے لیے کسی مرشدِ کامل کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے، لہٰذا مرید کو حصولِ تزکیہ اور مقاماتِ ہدایت و مکاشفہ اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے کسی شیخ کی بیعت کرکے اس کے طریقے سے التزام کرنا پڑتا ہے۔

اصحابِ تصوف "طریق" یا "طریقہ" کا اطلاق رسوم و قواعد کے اس مجموعے پر کرتے ہیں، جس کا التزام شیوخ طریقہ اپنے مریدین کی تہذیب اور تربیت کے لیے لازم قرار دے دیتے ہیں[1]۔ جب مرید شیخ کی بیعت کرنے کے بعد اس کے طریقے میں داخل ہو جاتا ہے تو اس پر اس طریقہ کی پابندی لازم ہو جاتی ہے۔ شیخ اسے اپنی زیرِ نگرانی سلوک کی منزلیں طے کرواتا ہے۔ شیخ مرید کی فطرت، قوت و استعداد اور اس میں مادۂ قبولیت کے مطابق اس کے لیے اوراد و وظائف اور مختلف ریاضتیں تجویز کرتا ہے۔ جب کوئی طالب علم کسی "طریقے" کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے تو اس کا شیخ اس کو حبِ مال، حبِ جاہ، تقلید اور معصیت سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام حجابات ہیں۔ مریدین کو زہدِ کامل، ترکِ تقلید و تعصب اور توبہ و ندامت سے رفع کرتا ہے۔ مرید قلتِ اختلاط، قلتِ کلام، قلتِ طعام اور قلتِ تمنا کو لازم پکڑتا ہے۔ وہ ذکر اور ریاضت کے ذریعے اُن تمام شیطانی وسوسوں کا مقابلہ کرتا ہے جو اُسے راہِ سلوک سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب مرید کے قلب کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کا قلب اللہ تعالیٰ

---

[1] التصوف الاسلامی ص ۳۳

کے جلال سے منور ہو جاتا ہے[1]۔

صوفیہ کے نزدیک راہِ سلوک میں کوئی شخص مجرّد کتابی علم کے بل بوتے پر راہ نمائی نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ شریعت کا کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ کیونکہ بقول غزالیؒ علماء خواہشاتِ نفس کی طرف مائل اور منہاجِ طریق سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں[2]۔ لہٰذا راہ نمائی کا کام ایک شیخِ کامل ہی کر سکتا ہے۔ اور شیخِ کامل وہ ہے جو خود کسی شیخِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک کی منزلیں طے کرتا ہوا معرفت و مکاشفہ کی منزل تک پہنچا ہو۔ جس طرح علمائے شریعت اپنے علومِ شریعت یا علومِ ظاہری اور اُن کی نصوص کی سند رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچاتے ہیں۔ اِسی طرح اربابِ طریق اپنے علومِ طریقت یا علومِ باطنی کی سند رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچاتے ہیں۔ مُرید کا ہاتھ اپنے شیوخ کے واسطے سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

تمام اصحابِ طریقت اِس امر پر متفق ہیں کہ وصولِ منزل کے لیے یہ شرط لازم ہے کہ مرید ظاہراً اور باطناً اپنے شیخ کی مخالفت نہ کرے۔ اور اپنے معاملے کو کُلّی طور پر شیخ کے سپرد کر دے۔ امام غزالیؒ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شیخ کے دامن کو اس طرح پکڑ لے جس طرح ایک اندھا نہر کے کنارے چلتے ہوئے اپنے راہ نما کا ہاتھ پکڑ کر چلتا ہے اور اپنا تمام معاملہ اس راہ نما کو تفویض کر دیتا ہے۔ مُرید کو جان لینا چاہیے کہ اس کے لیے اس کے شیخ کی خطا اس کے اپنے صواب سے زیادہ فائدہ مند ہے[3]۔

اصحابِ تصوّف شیخ کی غیر مشروط اطاعت پر قصّۂ موسیٰ و خضر علیہما السّلام سے استدلال کرتے ہیں[4]۔ لیکن قطعِ نظر اس کے کہ حضرت خضر نبی تھے یا کارکنانِ قضا و قدر میں سے کوئی کارکن۔ قرآن تصریح کرتا ہے کہ اُن کا علم وحی پر مبنی تھا، اس لیے وہ علمِ یقینی تھا۔ لیکن غیر نبی خواہ کتنے ہی بڑے مرتبے پر فائز کیوں نہ ہو اس کا الہام بہرحال ظنّی ہوتا ہے اور اُس کی صحت کو جانچنے کے

---

[1] احیاء علوم الدین ۳ : ۷۴ تا ۷۵

[2] ایضاً ۳ : ۵۵ [3] ایضاً ۳ : ۷۶

[4] الرسالۃ القشیریۃ ص ۱۶۴

لیے وحی کی میزان پر تولنا پڑتا ہے[۱]۔ لہٰذا غیر مشروط اطاعتِ شیخ کے لیے قصہ موسیٰؑ و خضرؑ سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ قرآن و سنت کی نصوص تصریح کرتی ہیں کہ اس طرح کی غیر مشروط اور بے چون و چرا اطاعت صرف نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے اور اہل استقامت اصحابِ طریقت عصمتِ اولیاء کے قائل نہیں[۲]۔

شیخ کامل کی صحبت کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن صوفیہ کے ہاں اطاعتِ شیخ پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ عملاً اُس کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت محض ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اصحابِ طریقت کے ہاں اطاعتِ شیخ مبالغے کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ چنانچہ ذوالنون مصریؒ کی طرف یہ قول منسوب ہے[۳]۔ طاعۃُ المرید لشیخہٖ فوقَ طاعتہ لربّہٖ (مرید کی اطاعتِ شیخ اس کی اپنے رب کی اطاعت پر فوقیت رکھتی ہیں) سید احمد مجدد الف ثانی خواجہ احرار کا قول نقل فرماتے ہیں[۴]

سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق

حافظ شیرازی کا یہ شعر اربابِ تصوف کے ہاں بہت مقبول ہو کر ایک اُصول کی حیثیت اختیار کر گیا ہے ؎

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزل ہا

یہ مبالغہ ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے چنانچہ بعض اکابر صوفیہ قلب سے ماسوا کے خیال کو دل سے نکالنے کے لیے تصورِ شیخ کو قلب میں بٹھانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ تصورِ شیخ یہ ہے کہ

۱۔ مکتوباتِ امام ربانی دفتر اوّل مکتوب نمبر ۱۰۷

۲۔ الرسالۃ القشیریۃ ص ۱۷۵ ۔ التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۴۷ ، کشف المحجوب ص ۲۶۱
مکتوبات امام ربانی دفتر اوّل مکتوب نمبر ۱۰۷

۳۔ التصوف الاسلامی

۴۔ مکتوباتِ امام ربانی دفتر اوّل مکتوب نمبر ۱۸۷

مُرید مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی محبت کو دل سے نکال کر اُس کی جگہ اپنے شیخ کے تصوّر کو بٹھا لیتا ہے۔ شیخ مجددؒ الف ثانی اس مرحلے کو فنائے اوّل اور فنا فی الشیخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر یہی فنا فی اللہ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

زاں روئی کہ چشم تست احول
معبودِ تو پیر تست اوّل [1]

اور پھر شیخ مرید کے قلب سے تصوّرِ شیخ کو ختم کر کے اُسے منازلِ سلوک کی سیر پہ لے چلتا ہے۔ شیخ کی غیر مشروط اطاعت کے آثار ہمیں صحابہ و تابعین کے زمانے میں کہیں نہیں ملتے، جب تصوّف نے ایک مستقل ادارے کی حیثیت اختیار کر لی تو اصحابِ تصوّف کے طریق میں اطاعتِ شیخ بھی ایک لازمی جزو کی حیثیت سے شامل ہو گئی۔ ہمارے خیال میں فقہ اسلامی میں تقلید کا رجحان بھی تصوّف ہی سے آیا ہے۔ (باقی)

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی دفترِ اوّل مکتوب نمبر ۶۱

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ جن اوراق پہ آیات و احادیث ہوں۔ اُن کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔

(ادارہ)